International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 02, July-Sep 2024
pp: 83- 101

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

ریاستِ مدینہ میں اقلیتوں کے حقوق: تجزیاتی مطالعہ

Rights of Minorities in the State of Medina: An Analytical Study

Dr Syed Iftikhar Ahmad
Assistant professor Minhaj University Lahore, Pakistan. shah0469@gmail.com
Dr shabir ahmad jamee
Hod School of Islamic Study And Shariah Minhaj University Lahore
hodislamicstudies.cosis@mul.edu.pk
Najeebullah
M.Phil scholar Minhaj university Lahore. memonnajeebullah11@gmail.com

Abstract

In the Islamic welfare state, Muslims and non-Muslims are equal in terms of rights. Just as the protection of the life, property, honor and dignity of a Muslim is the responsibility of the state, similarly, a non-Muslim citizen also has the right to protect his life, property, honor and dignity. The Islamic state not only allows all minorities to worship according to their faith, perform all rituals of marriage and death, but also protects them. Non-Muslim minorities have the legal right to live and do business in any part of the Islamic state. If someone harms their life, property, honor and dignity, the state is responsible for compensation.

Keywords: Islamic, welfare state, Muslims, non-Muslims protection, citizen

تعارف موضوع

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور مسلمان زندگی سے بھرپور آفاقی ضمانت رکھنے والی قوم ہے، انہوں نے تاریخ کے ایک طویل عرصہ پر حکمرانی کی اور دنیا کے مختلف اقوام وملل نے ان کی سیاسی سرپرستی قبول کی مگر صدیوں پر محیط اس پورے دور میں بھی کسی اقلیت کے بنیادی مسائل اور ان کے قومی معاملات میں کسی تنگ نظری حق تلفی یا جانبداری کا احساس نہیں کیا گیا، تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں دکھایا جاسکتا، جس میں کسی مسلم حکمراں نے کسی غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اس کے شخصی، مذہبی یا قومی کسی مسئلہ میں غیر عادلانہ برتاؤ کو روا رکھا ہو، حربی پس منظر میں بعض فوجی جرنیلوں یا نیچے درجہ کے افسروں سے کچھ غلطیاں ضرور ہوئی ہیں لیکن اقتدار اعلی تک جب اس کی اطلاع پہنچی تو پہلی فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی، اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں، ناممکن ہے کہ اسلام جیسا ہمہ گیر اور بے نظیر نظام حیات کسی قوم کے پاس ہو اور وہ دنیا میں اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ بدسلوکی کرے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ مظلومی کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور سینکڑوں ایسی مثالیں ہیں، جن میں مسلمانوں

CC BY

کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ان کے ساتھ سیاسی استحصال کا برتاؤ کیا گیا لیکن ایسی کوئی صحیح مثال موجود نہیں، جس میں مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جبر و تشدد کا معاملہ کیا ہو، ہمیں فخر ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری تاریخ ہماری تعلیمات کی طرح روشن اور بے داغ ہے۔

یہ بحث بہت حساس اور تفصیل طلب ہے، ہمارے علماء اور مصنفین نے اس موضوع بڑا کام کیا ہے، مستقل کتابیں اور مقالات اس موضوع پر موجود ہیں، اس مضمون میں اس سلسلہ کی جو اسلامی ہدایات اور ان سے متعلق بعض مسلم حکمرانوں کے ایک دو واقعات کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

اس سلسلہ کی اہم ترین ہدایت وہ ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال کو فرمائی تھی:

ألا من ظلم معاهداً أو انتقصه أوكلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس فأناحجيجه يوم القيامة ([1])

خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 8 ہجری میں نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ فرمایا اور ان پر جزیہ عائد کیا، ان کے بعد ایلہ، اذرح، اذرعات وغیرہ قبائل سے معاہدے ہوئے، حضور ﷺ نے تحریری ہدایت کے ذریعہ میدان کے لئے درج ذیل حقوق کا تعین فرمایا جو سیر و تاریخ کی مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں

کوئی دشمن ان پر حملہ کرے تو ان کی طرف سے مدافعت کی جائے گی: "یحفظوا ویمنعوا یعنی ان کی حفاظت کی جائے گی اور دشمنوں کے شر سے ان کو بچایا جائے گا۔([2])

- ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔
- جزیہ کی ادائیگی کے لئے ان کو محصل کے پاس جانا نہیں پڑے گا۔
- ان کی جان محفوظ رہے گی۔
- ان کو مذہبی و ملی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔
- ان کا مال محفوظ رہے گا۔
- ان کے قافلے اور تجارتی کارواں محفوظ رہیں گے۔
- ان کی زمین محفوظ رہے گی۔
- وہ تمام چیزیں جو ان کے قبضے میں تھیں، بحال رہیں گی۔

- پادری، راہب اور گرجوں کے عہدیداران اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کے جائیں گے۔
- صلیوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔
- ان سے عشر نہیں لیا جائے گا۔
- ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔
- فکر وعقیدہ کی آزادی ان کو حاصل رہے گی۔
- ان کو جو حق پہلے حاصل تھا ختم نہیں کیا جائے گا
- جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں، ان قوانین کا اطلاق ان پر بھی ہو گا۔

معاہدہ کے الفاظ کتابوں میں اس طرح نقل کئے گئے ہیں

ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة محمد النبى صلى الله عليه وسلمعلى أنفسهم وملتهم وأرضهم وأموالهم وغائبهم وشاهدهم وعشيرتهم وبيعهم وامثلتهم، لايغير حق من حقوقهم وامثلتهم ولايغير ما كانوا عليه ولايغيرحق من حقوقهم وامثلتهم، ولايفتن أسقف من أسقفيته ولا راهب من رهبانية ولا دافة من دفاهية على ما تحت أيديهم من قليل او كثيرا وليس عليهم دهن ولا دمر بأهلية ولايحشرون ولايعثرون ولا يطأ أرضهم جيش الخ [3]

اس طرح کی اور بھی بیش قیمت ہدایات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں جن کی روشنی میں اسلامی حکومت میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے جو حقوق سامنے آتے ہیں، وہ معزز سے معزز شہری کے لئے کافی ہیں، ان ہدایات میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کسی بھی قسم کے ظلم وحق تلفی تحقیر آمیز سلوک یا مذہبی یا فکری دباؤ سے روکا گیا ہے اور باعزت طور پر اسلامی حکومت میں انہیں رہنے کا حق دیا گیا ہے، یہ صرف کتابی نظریہ اور قانونی دفعات کی حد تک نہیں۔ ہے، بلکہ عہد اسلامی کے حکمرانوں نے ان کو عملی طور پر ثابت کیا ہے۔

اقلیتوں کا تحفظ اور ریاست مدینہ

رسول اکرم ﷺ کو وحی الہی اور حکمت نبوی کا استناد حاصل تھا، مہاجرین اور اکابر قریش کو صراحت کا، کیونکہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کا بہت سے قریشی طاقت ور وصاحب استطاعت ومنزلت صحابہ کرام ابھی تک مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ مدتوں سے صحابہ کرام سے زیادہ اکابر قریش اور شیوخ قبائل دیکھتے آرہے تھے کہ رسول اکرم ﷺم مکہ کے باہر کسی امن کی تلاش میں تھے۔ خاص طور سے ابو طالب ہاشمی کی وفات کی وجہ سے حمایت بنی ہاشم سے محرومی اور سفر طائف کے سانحے کے بعد رسول اکرم ﷺ مسلسل تمام طاقت ور قبائل عرب اور ان کے شیوخ وسادات سے ایمان

واسلام کے ساتھ ساتھ نصرت وحمایت کا دوگانہ مطالبہ فرمارہے تھے۔ اس کا مطلب سب پر واضح تھا کہ آپ ﷺ مامن و مستقر فراہم کرنے والے قبیلہ وعلاقے میں جانے کا الہیٰ منصوبہ و عمل رکھتے تھے۔ لیکن قبائل عرب میں سے بعض قریشی طاقت سے خوف زدہ تھے جن عرب و ایرانی دونوں کی مخالفت کے امکانات سے لرزہ براندام تھے بعض دوسرے سیاسی اقتدار وحکومت اور دینی بالادستی کی صورت میں اشتراک وراثت اور جانشینی کا طالب تھے، جو آپ ﷺ کو منظور نہ تھا۔(4)

بالآخر ہجرت سے تین سال قبل خزرج کے چھ سرداروں سے اتفاقیہ نہیں منصوبہ بندی کے مطابق ملاقات ہوئی۔ وہ عام حجاج وزائرین نہیں تھے بل کہ اپنے قبیلہ خزرج کے چھ سربرآوردہ افراد تھے جو اپنے ہم وطن عزیز قبیلہ اوس کے خلاف قریشی فوجی معاونت حاصل کرنے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم وطن یہودی علماء کی پیشن گوئیوں اور دوسرے اسباب سے پیغام نبوی فوراً قبول کیا اور نصرت وحمایت کے معاہدے کی تکمیل کے لئے ایک سال کی مہلت مانگی جو مل گئی۔ یہ ایسی خفیہ ملاقات تھی جس کی سن گن بھی قریش کو نہ مل سکی۔ اگلے سال حج کے موقع پر اوس وخزرج کے حاجیوں کے قافلے سے چھ خزرجی سرداروں اور تین اوسی شیوخ نے ملاقات کرکے معاہدہ کیا۔ یہ نکتہ قابل غور اور اہم ترین ہے کہ اولین بیعت عقبہ میں شریک دونوں محارب قبائل مدینہ کا شیوخ تھے اور وہ ظاہر ہے کہ اولین خزرجی سرداروں کی دینی وسماجی اور سیاسی تدبیروں کی بنا پر ہی باہمی آویزش بھلا کر رسول اکرم ﷺ کی دینی وسیاسی قیادت قبول کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ ایک سالہ مختصر مدت میں اوس وخزرج کے جوشیلے اور فہیم فطین سرداروں اور رسول اکرم ﷺ کا فرستادہ ونقیب حضرت مصعب بن عمیر بدری کی پیہم کوششوں نے یثرب کو دارالامان سے دار الاسلام بنادیا اور اس کی آبادی کو مسلم اکثریت میں بدل دیا۔ بیعت عقبہ ثانیہ نے نصرت وحمایت کا معاہدہ پکا کر دیا، جس میں قابل ذکر تمام شخصیات نے حصہ لیا اور اس نے ہجرت نبوی وصحابہ کی راہ ہموار کردی۔ یہ مستقل ہجرت تھی اور تحفظ و حفاظت کا مستقل نظام تھا۔ اس نے مہاجرین حبشہ کو مدینہ پہنچایا اور مکی صحابہ کرام کو بھی ایک نیا اور مستقل وطن دیا۔(5)

ریاست مدینہ میں اقلیتوں کے حقوق

ہجرت مدینہ بالخصوص ریاست اسلامی کے قیام کے بعد اقلیتوں کے حقوق کا منظر نامہ خاصا بدل گیا۔ مکہ مکرمہ میں اقلیتی حقوق کے طالب مدینہ منورہ میں ان کے عطا کرنے والے بن گئے۔ اب غیر مسلم بالخصوص یہودی اقلیت میں تھے۔ مسلمان اکثریت میں ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بن چکے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سیاسی قائد اور اسلامی ریاست کے سربراہ بن چکے تھے۔ یہودی قبائل اور ان کے حلیفوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاہدے کئے اور ان کا مجموعہ میثاق مدینہ دستور مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ غیر مسلم طبقات اور قبائل نے

آپ ﷺ کو رسول آخر الزماں ﷺ جانتے ہوئے بھی نہیں تسلیم کیا، مگر سیاسی قیادت و حکمرانی تسلیم کر لی۔ جغرافیائی سیاست کے فطری اور بے لچک تقاضوں کے سامنے ان کے لئے اور کوئی چارہ بھی نہیں بچا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی 'مدنی مواخاۃ' اور دوسرے سیاسی و دینی اقدامات کے بعد ایک وسیع تر اسلامی امت کا روز افزوں سلسلہ چل نکلا تھا۔

تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق

مکہ مکرمہ میں صرف قریشی قبیلوں اور دوسرے کی خاندانوں کے افراد و طباقت پر اولین اور اصل امت اسلامی بنی تھی جو کافی محدود بھی تھی۔ مدینہ منورہ میں اس کی دینی بنیاد اور سماجی معاشرتی تنظیم پر ایک وسیع تر امت اسلامی میں مہاجرین و انصار کی طاقت کو متحد کیا گیا۔ اس وسیع تر امت اسلامی کی اساس دین اسلام پر تھی لہذا وہ اصطلاح دستور مدینہ کے مطابق تمام انسانوں سے ممتاز و منفرد تھی۔ اس کے ساتھ غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں کو امت مسلمہ کا رکن نہیں بنایا جاسکتا تھا کہ ان کے دین و شریعت اور رسول خدا تھے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی بالا دستی یعنی اطاعت رسول کے دائرے سے بھی خارج تھے، لہذا ان کو امت اسلامی کا شریک و معاہد' بنایا گیا۔ معاہدوں کے ذریعے ان کو سیاسی نظام اور انتظامیہ سے وابستہ کیا گیا اور ان کے فرائض و حقوق دونوں متعین و واضح کئے گئے۔ اسلامی ریاست مدینہ کے سیاسی میثاق کے تحت تمام باشندگان حرم مدینہ نے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بالا دستی تسلیم کی اور اس کے تحت مدینہ منورہ کو دوسرا مقدس حرم مانا جس میں جنگ و جدال اور قتال و حرب مکہ کی طرح حرام ٹھہرا۔ ریاست مدینہ کی حفاظت اور باہری حملے کی صورت میں اس کا دفاع اور جنگ و حرب کی صورت میں مالی اخراجات برداشت کرنا ان کا فرض بنا۔ سربراہ مملکت کی ہر سیاسی اور جنگی معاملے میں اطاعت لازمی قرار دی گئی اور ان کی اجازت کے بغیر کسی کو جنگ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بین الاقوامی یا مسلمان و غیر مسلم کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑے عدالت نبوی میں لانے اور فیصلہ کرانے اور ان کو تسلیم کرنے بھی لازمی تھے۔ فوجداری کے معاملات، دشمنوں کو مدینے میں پناہ نہ دینے اور قریش کی حمایت وغیرہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی۔ دیت قصاص کے معاملات میں حسب دستور قبائل ادا کرنے کی ضمانت لی گئی۔ ایسے میں مختلف احکام و دفعات کے تحت وہ اسلامی ریاست کے ذمی' بن گئے۔([6])

ذمی یا اہل الذمہ کی حیثیت سے یہودی قبائل و طبقات کو وہ تمام سماجی، دینی، مدنی حقوق دیئے گئے جو مسلم اقلیت نے مکہ مکرمہ میں قریش سے طلب کئے تھے اور جن کو اس زمانے کے سیاسی دستور اور نظام نے ہر جگہ تسلیم بھی کیا تھا۔ ان میں سب سے اہم جان و مال اور آبرو کے تحفظ کا حق تھا جو ان کو میثاق مدینہ کی متعدد دفعات نے عطا کیا تھا اور جس پر اسلامی ریاست کا برابر مل رہا۔ جن یہودی اشخاص کو قتل کیا گیا وہ ریاست اسلامی کے خلاف غداری کے مجرم تھے یا جنگی

مجرم تھے ان کو تورات کے حکم کے مطابق سزا دی گئی۔ان کے مال و آبرو کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ریاست اسلامی کے خلاف اور دستور مدینہ کے معاہدے کے برعکس بنو قینقاع اور بنو نضیر کو معاہدہ جنگ کی شق کے مطابق خود سپردگی کے بعد ان کو تمام اموال منقولہ ساتھ لے جانے دیا گیا۔ حتیٰ کہ ان سے اس اسباب کے لے جانے پر بھی تعرض نہیں کیا گیا جو انہوں نے اپنے گھروں، گڑھیوں اور مکانوں دوکانوں کی غیر منقولہ جائدادوں سے بھی توڑ پھوڑ کر نکال لیا تھا اور ساتھ لادلے گئے تھے حالاں کہ معاہدہ کے مطابق دو دروازوں اور دیگر سامان کو لے جانے کا مجاز نہ تھے اور سب سے بڑا ثبوت اور تاریخی واقعہ اور ان سے زیادہ معاہد و ذمی کے ساتھ اسلامی ریاست کے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی مثالی ادائیگی کا یہ ہے کہ بنو قینقاع اور بنو نظیر کو مسلمان قرض داروں سے اپنے قرضوں کی رقم وصول کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دی گئی۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنے اصل مال (راس المال) تمام قرض داروں سے وصول کئے اور سودی رقوم البتہ ان کو شرط نبوی کے مطابق وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان کا مال ہی نہ تھا بل کہ وہ ان کا مذہبی صحیفہ تورات کی خلاف ورزی اور سماجی استحصال کی رقوم تھیں اور ان کو رسول آخر الزماں ﷺ کسی طرح روا نہیں رکھ سکتے تھے کہ وہ بہر حال دین اسلام میں حرام رہی ہیں۔(7)

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے تیسرے متحارب و غدار یہودی قبیلے بنو قریظہ کو تورات کے حکم کے مطابق ہی سزا دی گئی کہ وہ اسلامی ریاست کے خلاف سازش و غداری اور جنگ کے مرتکب ہوئے تھے اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے معاہدہ مدینہ کو پامال کر چکے تھے۔ان کے بارے میں ایک اور مشہور روایتی نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل اور ان کے بچوں دعورتوں کو غلام بنا کر بیچ دیا گیا تھا اور ان کے تمام اموال و آراضی پر قبضہ کر کے ان کو مجاہدین یا مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ تمام سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق پایا جاتا ہے لیکن تجزیہ نگاروں خاص کر ڈاکٹر برکات احمد اور ڈبلو این عرفات کا خیال و نظر یہ ہے کہ بنو قریظہ کے سازشی سرداروں کو ہی قتل کیا گیا اور تمام بالغ مردوں کو قتل کیا گیا تھا اور نہ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا اور نہ ان کی آراضی پر قبضہ کیا گیا تھا بل کہ معاف کر دیا گیا تھا۔ ماخذ اسلامی کے متعدد واقعات و روایات اور اسلامی اصول عدالت کا منطقی دلائل اور متعدد دوسری چیزوں سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ دوسرا نقطہ نظر زیادہ صحیح لگتا ہے کیوں کہ قتل عام کی روایات میں کافی جھول و ضعف ہے اور صحیح روایات میں متعدد خاندانوں کے معاف کر دیئے جانے کا واقعہ بھی ہے۔(8)

اقلیتوں کی حفاظت اور اسلامی ریاست

عہد نبوی میں اسلامی ریاست کے دس سالہ ارتقا کا منظر نامہ خاصا مختلف ہے۔ اول اسلامی ریاست کے شہر مدینہ سے باہر وسیع ہونے اور رفتہ رفتہ مختلف علاقوں کو اس میں مدغم کرنے کا معاملہ ہے۔ جو بالآخر کئی مرحلوں میں کمال کو پہنچا جب وفات نبوی کے وقت پورے جزیرہ نمائے عرب پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ذمی اقلیتوں کے حقوق و مراعات کا

معاملہ بھی اسی طرح کافی مختلف اور متعدد مرحلوں کا پیدا کردہ ہے جو اصول مدنیت وسیاست کے تنوع پر مبنی ہے۔ دس سالہ عہد نبوی میں ذمیوں یا ذمی اقلیتوں کے حقوق و معاملات کی مختلف سطحیں اور صورتیں ملتی ہیں۔ دستور مدینہ کے تحت عرب اور یہودی قبیلوں سے معاہدے جن کی رو سے ان کو ریاست اسلامی کا شریک کار فرائض و حقوق میں روایات عرب کے مطابق درجہ دیا گیا تھا۔ اس شراکت کی بنا پر ان سے کبھی جزیہ نہیں لیا گیا۔

2- شہر مدینہ کے قرب وجوار میں آباد عرب قبائل۔ جہینہ، مرینہ، مدلج مضمرہ وغیرہ سے دفاعی معاہدے کئے گئے ،یعنی فریقین ایک دوسرے پر حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی فوجی امداد کریں گے ورنہ غیر جانب دار رہیں گے۔

3-۔ عرب قبائل پر بزور شمشیر فتح حاصل کرنے کے بعد نبوی ریاست نے دل جیتنے کی حکمت عملی اختیار کی، نہ ان پر مالی پابندی لگائی گئی، نہ ان کے جنگی قیدیوں کو ناکام بنایا اور اگر بعض حالات میں بنایا تو جلد ہی مصالحانہ طریقے سے آزاد کر دیا جس کے نتیجے میں وہ غیر مسلم ہی نہ رہے اور نہ اقلیت بل کہ اسلامی ریاست مدینہ کے مساوی شہری اور اہل ایمان کا ہم پلہ بن گئے، جیسے قبیلہ بنو مصطلق وغیرہ۔

4-حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کے غزوہ دومہ الجندل میں بنو کلب کا قبیلہ غیر مسلم طبقات سے پہلی بار جزیہ وصول کیا گیا۔وہ نقد و جنس میں تھا۔ یہ "جزیہ علی الرقاب"(گردنوں پر جزیے کے محصول) کی اولین مثال تھی۔

5۔ غزوہ خیبر اور اس کے ماتحت غزوات فدک، تیمار اور وادی القری کے فتوحات اسلامی کے نتیجے میں اقلیتوں سے ان کی زرعی اموال کی پیداواروں پر خراج لیا گیا۔ ان کی باہمی رضامندی بلکہ مفتوح قبائل کی اپنی پیش کش پر نصف پیداوار پر صلح کی گئی اور اس سے خراج یا جز علی الارض کا اولین نبوی عمل اور اسلامی اصول مالیات نکلا اور اس نے نصف کو اعلی شرح قرار دیا۔(۳۲)

6۔ غزوۂ تبوک کے زمانے کے دوران دومۃ الجندل کے کندی حکمراں اکیدر بن عبد الملک، ایلہ کا فرمانروا یوحنا بن روبہ مقنا، اذرح اور جرباء کے لوگوں سے جزیہ و خراج دونوں کی وصول یابی کی گئی اور نقد و جنس جزئے و خراج کی شرح مختلف تھی۔ کسی سے ایک چوتھائی پیداوار لی گئی اور کسی سے فی کس جزیے کے علاوہ جنس میں بھی وصول کی گئی۔ ایلہ والوں سے کل آبادی پر جزیہ وصول کیا گیا۔(9)

دراصل یہ بحث اسلامی محاصل جزئی و خراج کے عہد نبوی میں ارتقا و اطلاق سے زیادہ متعلق وابستہ ہے۔ حقوق اہل الذمہ سے نسبتا کم۔ اس کا مختصر حوالہ اس لئے یہاں دیا گیا کہ عہد نبوی میں ان کے حقوق و فرائض کا اندازہ ہو سکے۔ اصل حقیقت یہ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی میں اقلیتوں کے ساتھ مختلف سلوک کئے گئے اور مختلف اصول

اپنائے گئے اور ان سب کا اطلاقی نتیجہ یہ تھا کہ ان کو اسلامی ریاست بہ طور اقلیتوں کے آباد رہنے کی اجازت دی گئی، ان کی جان، ان کا مال اور ان کی آبرو کی حفاظت کی گئی۔

اور اس حفاظت و شہریت کا عوض ان کو اسلامی ریاست کو ایک خاص محصول دینا ہوتا تھا۔ تمام معاملات بالعموم ان محاصل اسلامی کا تعین و نفاذ مفتوحہ یا صلح کے تحت مدغم ہونے والی اقلیتوں کے ساتھ معاہد پر مبنی تھا۔ اس لئے وہ سب معاہد بھی تھے۔(33)

تفصیلات میں جائے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ تمام یہودی، عیسائی، عرب اور مجوسی اقلیتوں کو بنیادی حق کے علاوہ ان کو دوسرے تمام حقوق حاصل تھے، جیسے شخصی اور اجتماعی آبادی کا حق، دینی و مذہبی حقوق جن کے تحت وہ اپنے تمام دینی فرائض انجام دے۔ اپنے معابد و مدارس کا انتظام کرتے تھے۔ سماجی حقوق جن میں نکاح و طلاق اور دوسرے تمام معاشرتی معاملات میں وہ آزاد تھے۔ اقتصادی و معاشی حقوق جیسے تجارت و زراعت، حرفت و اجرت کے علاوہ متعدد دوسرے مشاغل وہ اختیار کر سکتے تھے اور کرتے تھے حتی کہ وہ بسا اوقات ان کے تحت محض اپنی مالی برتری اور بہتر معیشت کے سبب مسلمانوں اور رسول اکرم ﷺ کا استحصال کرتے تھے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کا دور حکمرانی میں غیر مسلم اقلیتوں مکی مسلمانوں کی اقلیت سے زیادہ حقوق، بہتر مراعات اور وسیع تر آزادی و خود مختاری حاصل تھی۔ محض اس بنا پر کہ اس کے سربراہ رحمۃ للعالمین تھے اور ان کی ریاست ایک فلاحی ریاست تھی۔(34)

دور حکمرانی میں مسلمان اقلیتوں کا تحفظ

رسول اکرم ﷺ کی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی بعض مقامات پر فتح مکہ تک مسلم اقلیتوں کا مسئلہ بنا رہا۔ ان میں ایک طرف ملکی عرب مسلم اقلیتیں تھیں جو قریش مکہ کا درمیانی، عرب قبائل جیسے دوس و اشعر وغیرہ کے علاقوں میں موجود تھیں۔ دوسری طرف غیر ملکی مسلم اقلیت تھی جو بحر قلزم کے پار افریقہ کے براعظم کے ملک حبشہ میں آباد تھی۔ ان میں خاص تو عرب مہاجرین تھے جو بیشتر کیا بل کہ تمام تر قریش مکہ کے بطون کے نوجوان و پریشان حال افراد تھے جو اپنے عادل حکم راں کے قبول حق کے باوجود ایک غیر مسلم اکثریت کے درمیان بہ طور اقلیت رہ رہے تھے۔ وہ مکی مسلمانوں کی طرح اپنے ہی وطن میں اجنبی بن گئے تھے۔ اگرچہ ان کے مسائل دوسرے تھے اور ان میں حقوق اقلیت کا کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ تاہم وہ بعض دینی معاملات، معاشرتی مسائل اور تجارتی یا اقتصادی اور نفسیاتی مشکلات سے ضرور دوچار تھے۔([10])

مکی مسلم اقلیت کے مسائل و مشکلات خاصی صبر آزما تھیں جو ان کا اقلیتی حقوق کو پامال کر کے پیدا کی گئی تھیں۔ ان میں سب سے خطرناک ان کی شخصی آزادی سے ان کی محرومی تھی جو محض دین اسلام قبولکرنے کا نتیجہ ہیں، ان سے چھینی گئی

تھی۔ ایک بڑی مشکل تھی کہ عرب کا قدیم قبائل سماجی تحفظ کا نظام بھی ان کو شخصی آزادی اور دین پر عمل کرنے کا حق دلانے سے قاصر تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کم زور و بے بس اور لاچار مسلمانوں کو ان کے اپنے ہی ماں باپ اور عزیزوں نے قید و بند کا شکار بنا رکھا تھا۔ حضرت ابو جندل عامری رضی اللہ عنہ کا معاملہ سب سے نمائندہ مثال ہے کہ وہ اپنے باپ سہیل بن عمرو عامری کے ہاتھوں ہی قید میں ڈالے گئے تھے۔اس طرح ابو جہل مخزومی نے اپنے بھائی حضرت سلمہ بن ہشام مخزومی، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی نے اپنی ذاتی قید میں رکھ چھوڑا تھا۔ اسی طرح دوسرے قیدی مسلمان تھے جن میں حضرت ہشام بن عاص سہمی ولید بن ولید مخزومی اور ابو بصیر ثقفی وغیرہ بہت اہم تھے اور سب مقید و پابند زنداں تھے۔ دوسرا مکی مسلم اقلیت کا طبقہ مخلص مسلمانوں پر مشتمل تھا جو مختلف وجوہ سے مدینہ ہجرت نہ کر سکے تھے۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب ہاشمی اور ان کی والدہ ماجدہ کے علاوہ متعدد دوسرے مسلمان مرد وعورت شامل تھے

تیسرا وہ اہم طبقہ مسلم تھا جس کو قریش مکہ نے ان کے رفاہی کاموں اور دوسرے اعمال خیر کے سبب ہجرت نہیں کرنے دی۔ ان میں حضرت نعیم بن عبد اللہ النحام عدوی اور خاندان بنو عدی / حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعدد افراد بل کہ طبقات شامل تھے لیکن ان کا مسئلہ اقلیتی نہیں تھا کہ قریش مکہ نے ان کو تمام حقوق اقلیت و شہریت دے رکھے تھے، بس یہ ضرور تھا کہ وہ قطعی آزاد شہری نہیں تھے۔ ([11])

ان میں سب سے اہم مسئلہ گرفتار و قید مسلمانوں کا تھا کہ وہ پابند سلاسل ہی نہیں، مظالم وحشیانہ کے شکار تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حالات کے دھارے پر بے کس و لاچار نہیں چھوڑ سکتے تھے کہ بہ طور سربراہ مملکت اسلامی ان کا خاص فرض اور امت اسلامی کا اجتماعی فریضہ تھا کہ ان کی گلو خلاصی کی سبیل نکالے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور ایک نیا اصول نکال کر اپنے بعض پر جوش صحابہ کو مکہ مکرمہ بھیج کر ان میں سے بعض کو قید و بند سے آزاد کرایا اور ان کو مدینہ منورہ بلوایا۔ ان خوش نصیبیوں میں حضرات عیاش مخزومی اور ہشام بھی شامل تھے ([12])۔

حضرت ولید بن ولید مخزومی برادر حضرت خالد بن ولید مخزومی از خود آزادی حاصل کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابو بصیر ثقفی کا معاملہ ایک معاہد معاہدہ صلح حدیبیہ نے مشکل بنا دیا تھا۔ قید و بند سے آزاد ہو کر وہ بھی مدینہ پہنچے لیکن صلح حدیبیہ کی ایک شرط کے مطابق ان کو ان کے متعاقبوں کے حوالے کر کے مکہ واپس کر دیا گیا، بلکہ اسی طرح جیسے صلح حدیبیہ کی شرط طے ہونے کے بعد مگر معاہدے کے لکھے جانے سے قبل حضرت ابو جندل عمرو بن سہیل عامری رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے سپرد کر دیا گیا تھا کہ شرائط تو طے ہو چکی تھیں، اگر لکھی نہیں گئی تھیں۔ قریشی نمائدے کے قانونی اعتراض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا تھا اور اس نے ایک عجیب صورت حال

پیدا کر دی تھی کہ تمام مسلمان صدمے سے دوچار اور بعض بعض تو غضب ناک ہو گئے تھے، مگر رسول اکرم ﷺ نے معاہدے کی پابندی کی اور اسلامی اصول نبھایا۔ ساتھ ہی پیشن گوئی فرمادی کہ شاید اللہ تعالی ان کے لئے کوئی دوسری سبیل پیدا کر دے۔ مگر اس کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل کے لئے دو قریشی اکابر حو یطلب بن عبد العزمی اور مکرز بن حفص کی جوار بھی حاصل کرلی تھی کہ ان کو ظلم سے بچائیں گے اور بعد میں وہی ہوا کہ حضرت ابو بصیر ثقفی نے اپنے متعاقبوں کا خاتمہ کر کے مدینہ منورہ کے باہر ساحل بحر قلزم پر ڈیرہ ڈال دیا اور آزادی حاصل کرلی۔ ان کی مثال نے حضرت ابو جندل اور دوسرے مجبور و مقید مسلمانوں کو ایک اور مامن وملجا کی راہ دکھائی اور وہ سب ینبوع میں جمع ہو کر قریش کے تجارتی کاروانوں کے لئے خطرہ بن گئے۔ قریش مکہ نے خود اس ظالمانی شق کی تنسیخ کی درخواست کی اور ساکنان ینبوع مدینے پہنچ گئے۔(13)

اس واقعے میں چند حکیمانہ پہلو بھی ہیں اور اصول سیاست اور حقوق اقلیت بھی۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کو دوسرے ممالک میں ظالمانہ قید میں اسیر مسلم اقلیت کو آزاد کرانے کا حق حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلم قیدیوں اور اسیروں کو اپنی رہائی کی کوشش کرنے کا حق ہے۔ بشرطیکہ وہ محض دین وایمان یا استحصال کی بنا پر قید ہوں تیسرے یہ کہ مجبور ولاچار اور مقید مسلم اقلیت کے افراد کو ظالمانہ معاہدہ کی شق منسوخ کرانے کے لئے اجتماعی جدوجہد کا حق حاصل ہے۔ چوتھے یہ کہ مسلم ریاست ممالک غیر محفوظ و ظالم ممالک کی جیلوں میں اسیر قیدویوں کے رہا کرانے کی پابندی اور ان کی اجتماعی مساعی کی تائید کی تھی۔ پانچوں یہ کہ ظالم اکثریت وملک کے حکمراں سے اندرونی معاملات اور اپنے شہریوں کا مسئلہ نہیں بناسکتے۔ ممالک غیر میں مسلم اقلیتوں کے متعلق اسلامی ریاست کی پالیسی حبشہ کی عادل حکومت اور منصفانہ انتظامیہ میں مسلمان اقلیتوں کے عہد نبوی میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے اور تمام حقوق اقلیت بل کہ حسن سلوک سے نوازے جانے کے باوجود اسلامی ریاست مدینہ اور حکومت نبوی نے ان کی طرف سے آنکھیں نہیں موند لی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور اقلیت میں رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سیاسی قائد کی حیثیتوں سے بھی ان کا خیال رکھا تھا۔ جس طرح بعض اکابر قریش جیسے ابو طالب ہاشمی نے اپنے قبیلے والوں اور عزیزوں کا بہ طور خاندانی سربراہ اور بہ طور پدروالی لحاظ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر قرایش دونوں نے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو اور عام مسلمانوں کو بسا اوقات مادی اسباب کے ہدایا بھیجے تھے (14)۔

مہاجرین حبشہ کو مادی امداد سے زیادہ اخلاقی سہارے کی ضرورت تھی کہ وہ دیار غیر میں اپنوں سے دور غربت کی کلفتیں اٹھا رہے تھے۔ ابو طالب ہاشمی اور ان جیسے دوسرے بعض اکابرین قریش کی اخلاقی امداد خاص خون کے رشتوں اور قبائلی مروت وعصبیت کے دھاگوں سے بندھی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وسماجی نصرت وحمایت

میں دینی قوت اور مذہبی اخوت بھی کار فرما تھی اور ان سے زیادہ خالص الہیٰ ولایت بھی۔ اللہ و رسول کی محبت و دوستی اور نصرت و حمایت کے ساتھ ساتھ ان کو مسلسل کلام الہی مختلف طریقوں سے پہنچایا جاتا رہا تھا۔ خود بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکی مسلمانوں کے بارے میں آنے جانے والوں سے دریافت احوال کیا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ متعدد اکابر صحابہ کے بارے میں بھی روایات ملتی ہیں کہ وہ ہر طرح کی اخلاقی، مادی، روحانی قرآنی اور تشریعی امداد سے ان کو نوازتے تھے اور اشار و کلام کے ذریعے سے بھی ان کی دل جوئی کیا کرتے تھے جو عرب قومیت کی غالباسب سے بڑی حسیت تھی۔ ([15])

مکی دور میں ہی رسول اکرم ﷺ نے اور ابو طالب ہاشمی نے بھی شاہ حبشہ نجاشی کو فرامین و خطوط بھیجے تھے۔ ان میں شاہ نجاشی سے مہاجرین عرب کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے کی درخواست کی تھی اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ مدنی دور میں فرامین رسالت کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی وفود بھی بھیجے تھے جن میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کا وفود اہم تھے۔ روایات میں تو ان کے دو ایک وفود کا ذکر آتا ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ وہ مسلسل حبشہ اور دربار نجاشی میں سفارتی کام کیا کرتے تھے۔ حبشہ اور عرب کے درمیان مدتوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور سماجی و معاشرتی روابط بھی تھے اور دونوں کی مسلسل آمد و رفت بھی تھی۔ ان کے پیش نظر یہ واقعہ لگتا ہے کہ تجارتی کاروانوں، کشتیوں اور انفرادی تاجروں کے ذریعے بھی باہمی معاشرتی لین دین ہوا کرتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین ایک دوسرے سے خوب واقفیت رکھتے تھے اور مہاجرین کی قسطوں میں واپسی نے بھی ان کے درمیان رشتہاستوار کر رکھا تھا۔ ([16]) عہد نبوی میں اقلیتوں کے حقوق کی تعداد مذکورہ بالا سے کہیں زیادہ تھی۔ ان کا ذکر اختصار کے ساتھ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

اقلیتوں کی جان کا تحفظ

کسی بھی شہری کے لئے سب سے اہم ترین مسئلہ اس کے تحفظ جان کا ہوتا ہے، عہد اسلامی میں اقلیتوں کو یہ حق پوری طرح حاصل تھا، مثلا: قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو جان سے مار ڈالا، حضرت عمر کو اس کا علم ہوا تو تحریری فرمان بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ قاتل (جس کا نام حنین تھا) مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا گیا۔ ([17])

حضرت علی نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا: "من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا" یعنی جو لوگ ذمی میں ان کا خون اور خون بہا ہمارے خون اور خون بہا کے برابر ہے۔ حضرت علی کے عہد خلافت میں بھی کسی مسلمان نے ایک غیر مسلم قتل کیا، تو انہوں نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے حوالہ کر دیا جائے، مقتول کے ورثہ نے اسلامی مساوات اور

حضرت علی کے انصاف سے متاثر ہو کر قاتل کو معاف کر دیا اور حضرت علی کے پاس حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا؟

حضرت عمر فاروق کی شہادت فیروز نامی شخص کے ہاتھوں ہوئی، جو نسلا مجوسی اور مذہبا عیسائی تھا، قاتل بھاگ گیا، تو حضرت عمر کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ بعض لوگوں کی چشم دید شہادت کی بنیاد پر تلوار ہاتھ میں لیکر نکلے اور فیروز کو نہ پاکر دیگر مشتبہ قاتلوں فیروز کے مینہ اور ہرمزان وغیرہ کو قتل کر دیا، ہرمزان تو مسلمان ہو گیا تھا، مگر باقی عیسائی تھے، حضرت عبداللہ کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا، حضرت عثمان کے خلیفہ بننے کے بعد پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا، معاملہ کسی عام شخص کے قتل کا نہیں تھا، بلکہ امیر المؤمنین کی سازش قتل کے مشتبہ ملزموں کا تھا، حضرت عثمان نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، زیادہ تر صحابہ نے مشورہ دیا کہ محض شبہ کی بنیاد پر کسی کا قتل جائز نہیں، اس لئے عبداللہ پر حکم قصاص جاری ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت عثمان نے قصاص کا حکم جاری فرمادیا مگر بعض وجوہات کی بنا پر مقتولین کے ورثاء خون بہالینے پر راضی ہو گئے اور حضرت عثمان نے بیت المال سے ان تینوں (یعنی ایک مسلمان اور دو عیسائیوں کا خون بہا اور برابر برابر ادا فرمایا۔

اقلیتوں کے مال کا تحفظ

انگریزی میں مال اور جائداد کے حقوق کو رائٹ آف پراپرٹی' اور 'رائٹ آف مین کہتے ہیں، اسلامی عہد حکومت میں اس باب میں مکمل مساوات کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً:

حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پائے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا، آپ نے حضرت ابو موی اشعری کو جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے تحریر فرمایا کہ اگر وہ زمین کسی غیر مسلم اقلیت کی نہ ہو اور نہ اس میں ان کی شہروں اور کتوں کا پال آتا ہو تو سائل کو زمین دے دی جائے۔ (فتوح البلدان: ۳۵۱)۔ حضرت امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے:

ولیس له أن یأخذها بعد ذلك منهم وهی یتوارثونها ویتبایعون

یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے بعد کسی اقلیت سے زمین چھین لے، وہ ان کی ملک ہے ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہے گی اور وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

زبان وادب کے تحفظ کا حق

ملکی اقلیت کو اگرچہ اس حق کے تحفظ کی فکر نہیں تھی کہ ان کی اکثریت کی زبان وادب بھی یکساں تھے۔ تاہم حبشہ میں مہاجرین قریش کو اس کا حل تلاش کرنا پڑا، کیوں کہ وہاں کی اکثریت کی زبان حبشی تھی اور عرب مہاجرین کی عربی۔ ان دونوں میں تصادم تو نہیں تھا تاہم مہاجرین کو اپنی زبان و ادب کے محفوظ و برقرار رکھنے کا مسئلہ ضرور تھا۔ خاص کر

اپنے نوزائیدہ بچوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں میدان کے شرف کی بات ہے کہ نہ صرف انہوں نے اپنی زبان برقرار و جاری رکھی بل کہ اس میں غالبا اولین ہجری عربی ادب کی تاریخ رقم کی۔ اس کے نمونے موجود ہیں۔ اس سے زیادہ سمجھ کی بات کی کہ اپنے نئے وطن کی زبان حبشی سیکھی اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دی۔([18])

تہذیب و ثقافت کے تحفظ کا حق

حبشی مہاجرین کو خاص کر اور ملی اقلیت کو عام طور سے اپنی خاص اسلامی تہذیب و ثقافت کو برقرار رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ بلاشبہ عربوں کا تمدن اسلامی عہد میں بھی مشترکہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر اس میں اسلامی رنگ نیا تھا۔ اسلامی احکام و آداب نے کھانے پینے، رہن سہن، ملبوسات اور نعلین، ظروف و برتن اور متعدد دوسری چیزوں میں استعمال کا فرق کر دیا تھا۔ حلال و حرام کھانوں، مشروبوں وغیرہ کی پابندیاں، لہو و لعب سے احترام کی پیش بندیاں، طور طریقوں میں تبدیلی کی گونا گویاں اور بہت سی دوسری چیزوں نے اسلامی تہذیب و ثقافت کا خاص رنگ و آہنگ پیدا کر دیا تھا اور وہ خاصا مشترکہ تمدن سے مختلف تھا، اس کی حفاظت کا حق بھی ان کو تھا۔([19])

اقتصادی اور معاشی آزادی کا حق

غیر مسلم پر اسلامی حکومت میں کسب معاش کے سلسلہ میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ وہ ہر وہ کاروبار کر سکتا ہے جو مسلمان کرتے ہوں۔ مگر کوئی ایسا کاروبار جو ریاست کے لئے اجتماعی طور پر نقصان کا سبب ہو۔ وہ جس طرح مسلمانوں کے لئے ممنوع ہو گا اسی طرح

ان کے لئے بھی ممنوع ہو گا مثلا سودی کاروبار جو بالآخر پوری سوسائٹی کے لئے ہلاکت کا باعث بنتا ہے یا دیگر اس نوعیت کے کام وغیرہ احکام القرآن للجصاص میں ہے:

ان الذمیین کالمسلمین فی جرمۃ تعامل بالربا-

ترجمہ: یعنی سودی کاروبار کے معاملہ میں غیر مسلم مسلمانوں جیسے ہیں۔ جیسے ان کیلئے حرام ہے ویسے ہی ان کیلئے بھی حرام ہے۔

اس اصول کے علاوہ جو تجارت ان کو پسند ہو کریں یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں اور شہروں میں خنزیر اور شراب بھی رکھ سکتے ہیں ان کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ و خزیرا اذا اتلفہ -([20])

ترجمہ: یعنی اگر کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی فرد کی شراب یا خنزیر کو نقصان پہنچائے گا تو اسے اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ چیزیں وہ مسلمانوں کے شہروں میں نہ لائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ بیچیں گے۔([21])

پیشیوں کے اعتبار سے وہ کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اجرت پر ان سے کام کروانے کی کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ اسلام میں کسی پیشہ کی وجہ سے کسی غیر مسلم سے کسی بھی نوعیت کی کوئی دوری رکھنے کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا تجارتی معاملات میں جو ٹیکس مسلمان دیتے ہیں وہ ان کو بھی دینا ہو گا۔

تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق

وہ رہن سہن کے بارے میں اپنی قومی اور تہذیبی روایات کے مطابق رہ سکیں گے یہاں تک کہ ان کے شخصی معاملات یعنی نکاح طلاق بایں حد کہ نکاح محرکات ؀ بھی اگر ان کے تہذیبی شعائر میں رائج ہو تو اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو نکاح محرمات کی کیوں اجازت دے دی تھی اور شاید حضرت اس پر پابندی لگا دینا چاہتے ہوں کیونکہ یہ فعل شناعت کے اعتبار اس قدر شنیع ہے کہ فطرت سلیمہ اسے ہر گز قبول نہیں کرتی۔ جواب میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

انما بذلوا الجزیۃ لیترکوا علی ما یعتقدون و انما انت متبع و مبتدع والسلام۔([22])

یعنی انہوں نے جزیہ اس لئے دیا ہے کہ ان کے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے اور آپ تو خلفائے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں۔ نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔

دار الاسلام کے اندر سوائے حرم پاک کے وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں اور اسی طرح ترک سکونت کا بھی انہیں اختیار ہے۔ حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور اس میں مشرک کے داخلہ پر پابندی نص سے ثابت ہے اس لئے وہ وہاں نہ رہ سکیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔([23])

ترجمہ: مشرک پلید ہیں اور وہ اس سال کے بعد کبھی بھی مسجد حرام میں نہ آئیں۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو کسی بھی مذہب کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمام آسانی مذاہب کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ان کے پیروکاروں کو مکمل آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ لیکن یہودیت اور عیسائیت کی طرح وہ اپنا دروازہ طالب ہدایت کے لئے بند نہیں کرتا بلکہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے مگر کسی بھی غیر مسلم کو جو مسلم حکومت کے زیر نگین زندگی گذار رہا ہو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسلام قبول کر لے قرآن حکیم میں واضح حکم ہے:

لا اکراہ فی الدین۔ قد تبین الرشد من الغی۔([24])

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہوگئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی ذمی مسلمان نہ ہوا اور کس کو اسلام کی دعوت ہی نہ دی جائے۔اسلام کی دعوت دینا اور چیز ہے اور مجبوراً مسلمان بنانا دوسری چیز ہے۔اس لئے بربنائے دعوت اگر کوئی ذمی اسلام قبول کرلے تو اہل ذمہ اس کو مجبور اواپس اپنے مذہب میں لوٹانے کے مجاز نہ ہوتے۔ اہل ذمہ اپنے عقائد کے مطابق اپنے عبادت نائوں اپنی مرہی رسومات آزادی سے ادا کرسکتے ۔ملرابی جلسے اور جلوس وغیرویاند نہیں تہواروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوگی بشرملیکہ دومفاد عامہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کسی ایسے شہر میں کہ جہاں کسی چلے جلوس نکلنے سے فساد کا اندیشہ ہو یا ہولی کے تہوار سے وہاں کی آبادی میں اشتعال پیدا ہوکر نقص امن کا خطرہ ہو تو حکومت مناسب تدابیر اختیار کرسکتی ہے لیکن یہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم ہیں بلکہ اس وجہ سے ہوگا کہ اندیشہ نقص امن ہے اور امن وامان قائم رکھنا کسی بھی حکومت کا فرض اولین ہے۔ اور اگر یہی صورت مسلمانوں کے اپنے اجتماع سے پیدا ہوتی ہو تو حکومت وہاں بھی مناسب تدابیر اختیار کرنے کی مجاز ہے۔

دار الاسلام میں اہل ذمہ کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے عبادت خانے بنائیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ان علاقوں میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کریں جہاں ان کی اکثریت ہو۔ تاکہ کسی قسم کے مذہبی اشتعال سے اندیشہ نقص امن پیدا ہی نہ ہو۔

اجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق

جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کے معزور ہوجانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہوجانے پر کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے اسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معزور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت لازم ہے۔

کتاب الاموال میں ابو عبید نے حضرت سعید بن المسیب سے ایک روایت نقل کی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم تصدق بصدقة على اهل بيت من اليهود فهي تجرى عليهما-([25])

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو صدقہ دیا یعنی زکوۃ دی۔

اسی طرح کتاب الخراج ابو یوسف میں ہے:

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل أو اصابته ان الآفات اوكان غنيا فافتقر وصار اهل دينه بتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام-([26])

ترجمہ: یعنی اگر ان کے صنعیف العمر اور ناکارہ لوگوں یا آفت رسیدہ یا بعد از غنی سے فقیر ہو جانے کے کہ ان کے مذہب کے لوگ ان کو خیرات دینے لگیں تو ان سے جزیہ بنالیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے نان ونفقہ کا بندوبست کیا جائیگا۔

جب تک وہ اسلامی ملک میں رہیں۔ عملی طور پر اس کی تاریخ اسلامی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ غیر مسلم اقلیتوں کے معزور افراد کو اسلامی بیت المال سے باقاعدہ اچھا خاصا الاؤنس ملتا رہا ہے حضرت عمر نے ایک مرتبہ ایک یہودی کو دیکھا جو اندھا ہو چکا تھا تو آپ نے اس کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمادیا۔ ہے اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حقوق عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور بالکل برابر کے شہری ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا قلیتوں سے برتاؤ

پیغمبر دوعالم حضرت محمد ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشر ایک لائے تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے مسلمان اور یہودی باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ کروایا کہ یہودیوں کے عقائد کا احترام کیا جائے گا۔ ان کو ہر قسم کی ایذاء سے بچایا جائے گا اور یہ کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں پر اگر کسی طرف سے کوئی حملہ ہو تو یہودی مسلمانوں کی اعانت کریں گے۔ جب ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس پڑوس کے ساتھ برتاؤ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ بلا تمیز مذہب ودین اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے۔ ان کو تحائف بھیجتے اور ان کے تحائف خود قبول فرماتے۔

غیر مسلموں کے جو بیرونی وفود حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ان کی حضور ﷺ خود میزبانی فرماتے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے مسیحی بھائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کیلئے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔

ایک دفعہ نجران کے مسیحیوں کا ایک وفد مدبینہ منورہ آیا۔ آپ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں گھر آیا اور اس وفد میں شامل مسیحیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی میں ادا کریں۔ چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجد نبوی کی ایک جانب نماز پڑھتے اور دوسری جانب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین نماز پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ کی ان تعلیمات پر چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آپ کے زمانہ سے لیکر ہر اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ برابری حاصل رہی ہے اور بعض مقامات پر تو برابری سے بھی زیادہ شفقت وبرتری غیر مسلم اقلیتوں کو انسانیت کی فلاح وبہبود کے اس دین سے حاصل رہے۔ مجھے

اسلام کے متعلق بمبئی کے ایک نو مسلم کا یہ جملہ بہت پسند ہے کہ اسلام تو جگت سدھار ایک تحریک کا نام ہے جو دنیا کو امن و آشتی اور اخوت و محبت جیسی نعمتیں بنتا ہے۔

اقلیتیں کا اسلامی ریاست کے نظم ونسق میں دخل کا حق

پھر حضرت عمر حکوت کے نظم و نسق کے بارہ میں ہمیشہ اہل الرائے غیر مسلموں سے مشورہ لیتے تھے۔ عراق کے بندوبست کا سوال جب در پیش تھا تو آپ نے مدینہ میں ایک میٹنگ بلائی اور اس میں عجم کے غیر مسلم رئیسوں کو بھی مدعو کیا۔ اسی طرح مصر کے نظم ونسق میں متوقس سے جو وہاں کے باشندوں کا مذہبی پیشوا تھا آپ اکثر مشورہ لیتے تھے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں ایک نسطوری پادری صاحب نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا۔ اس میں وہ اپنے علاقہ کے سیاسی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مسلمان ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور فرسیوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے

گرجوں اور کلیساؤں کو جاگیر میں عطا کرتے ہیں۔(27)

فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا اور کاموس تاریخ و جغرافیہ کلیسیا دونوں میں یہ تصریح ہے کہ غیر مسلم اقلیتیوں کے روحانی سرداروں کو علماء کی طرف سے دنیاوی وعدالتی اقتدارات عطا کئے جاتے تھے۔(28)

حضرت امیر معاویہ کے دربار میں ابن آثال نامی ایک عیسائی تھا جو ان کا طبیب بھی تھا اور مترجم بھی۔ آپ نے اسے تمص کا گورنر بھی بنایا تھا۔ اسلامی ہدایات کی روشنی میں غیر مسلموں پر اعتماد کا یہ انداز قریبا قریبا آخر تک قائم رہا۔ چنانچہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی محکمہ کے افسر نے اس مضمون کی عرضی گزاری کہ میرے ہاں دو پاری سرکاری عملہ کی تنخواہ تقسیم کرنے کے لئے ملازم ہیں۔ میں نے خود ان کو ملازم نہیں رکھا بلکہ وہ پہلے سے نوکر ہیں۔ مگر چونکہ وہ آتش پرست ہیں اس لئے ہم مسلمانوں کو ان غیر مسلموں کی سرپرستی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا، اب میری گزارش یہ ہے کہ اگر حضور ارشاد فرمائیں تو ان دونوں پارسیوں کو برخواست کر دیا جائے۔

عقیدہ ومسلک کی آزادی

اسلام بندگی رب کی دعوت تو دیتا ہے۔ لیکن عقاید کو بدلنے اور اسلام قبول کرنے پر دباؤ نہیں ڈالتا نہ کسی جنبر داکراہ سے کام لیتا ہے۔ دعوت دوسری چیز ہے اور کسی پر جبر واکراہ بالکل دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز جائز اور قانون کے دائرے میں ہے جبکہ دوسری چیز ممنوع اور قانون کے دائرہ سے باہر ہے اللہ تعالی فرماتا ہے: **ادع ------ جادلہم**

اے نبی ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ جبر واکراہ کی پالیسی سے اس نے یوں منع کیا۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی(29)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ تھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

شریعت کی یہ متعین پالیسی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہل بجران کو نبی نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا کہ نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان حاصل ہے۔ ان کے اموال، ان کا عقیدہ، ان کا معاہدہ اوران کی زیر ملکیت تمام چیزوں کی حفاظت کی جائے گی۔(30) مختلف زمانوں میں گرجا گھر اور کیسے اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کسی نے انہیں ادنی گزند نہ پہنچایا ہے نہ مسلمانوں نے نہ حکومت نے بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی انجام دہی کے لیے سہولیات فراہم کی ہیں۔

خلاصہ بحث

اسلامی فلاحی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم حقوق کے حوالے سے برابر ہیں۔ جس طرح مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ریاست کی ذمے داری ہے اسی طرح غیر مسلم شہری بھی یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہو۔ اسلامی ریاست تمام اقلیتوں کو ان کے عقیدے کے مطابق عبادات کرنے، شادی بیاہ اور وفات وغیرہ کی تمام رسومات ادا کرنے کی نہ صرف اجازت دیتی ہے بلکہ ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ غیر مسلم اقلیتیں اسلامی ریاست کے کسی بھی حصے میں رہنے اور کاروبار کرنے کا قانونی حق رکھتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے جان ومال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچائے تو ریاست اس کی تلافی کی ذمے دار ہوتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

1 مشکوۃ علی المرقاۃ، کتاب الصلح:۹۔۸۹

2 فتوح البلدان:۵۹

3 فتوح البلدان:۶۵

4 مودودی،۳۲۶۸۔۶۹۰،

5 (مکی اسوہ نبوی،۲۳۵۔۲۴۲)

6 (تنظیم ریاست و حکومت، باب اول، ص،۳۳)

7 (تنظیم ریاست و حکومت، باب اول، ص،۶۰)

8 (تنظیم ریاست و حکومت، باب اول، ص،۳۵)

9 (ابن سید الناس، ج،۲، ص،۲۰۹)

10 (مکی اسوہ نبوی، ج،۲، ص،۲۷۳)

11 (مکی اسوہ نبوی، ص ۲۲۴، س ن)

12 ابن ہشام، ج،۲، ص،۳۷۶

13 (سہیلی، ج،۶، ص،۳۶۴)

14 مکی اسوہ نبوی، ص، ۳۷۲

15 مکی اسوہ نبوی، ۱۳۷

16 ابن ہشام، ج،1، ص، ۳۵۳

17 نصب الرایہ: ۳۳۷،۴

18 مکی اسوی نبوی، ۸۳

19 عہد نبوی کا تمدن، ص۸۷، س-ن

20 ابو بکر جصاص، احکام القرآن:436:2، مصر

21 الکاسانی: بدائع الصنائع:113:7، مصر

22 ابو الاعلی مودودی، ذمیوں کے حقوق:19 لاہور-1968ء

23 سورۃ توبہ: آیت نمبر ۲۸

24 سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۲

25 ابو عبید: کتاب الاموال، 613 مصر

26 امام ابویوسف، کتاب الخراج، ص/124 مصر

27 یاداشت جروع الشام، (102) مرتبہ دی خوے فرانسیسی مستشرق

28 دعوت اسلام 278، بحوالہ پریچنگ آف اسلام آرنلڈ 1898

29 سورۃ البقرہ ۲۵۶

30 مناسح الشرح الاسفاعی از امتیاز مصطفی زرقا، جملہ المنلون، شمارہ 7، ص 48